حافظ محمد زبیر☆

قراءات متواترہ کے بارے میں
غامدی صاحب کے موقف کا تنقیدی جائزہ

جاوید احمد غامدی صاحب کی کتاب ''اصول ومبادی'' میں پیش کردہ مختلف اصولی تصورات، مثلاً 'تصور کتاب'، 'تصور سنت' اور 'تصور فطرت' کا علمی وتنقیدی جائزہ ہم اپنے سابقہ مضامین میں تفصیلاً لے چکے ہیں۔ اسی ضمن میں ہم ان کے 'تصور قرآن' کی کجی کو بھی واضح کرنا چاہیں گے۔ اس عنوان کے تحت ایک ایک کر کے درج ذیل ابحاث پر غامدی صاحب کے نقطہ نظر کا علمی جائزہ لینا ہمارے پیش نظر ہے:

۱) قراآت متواترہ کی حیثیت
۲) کیا قرآن قطعی الدلالۃ ہے؟
۳) نظم قرآن کا تصور
۴) تفسیر قرآن میں اسرائیلیات کا مقام
۵) سبع مثانی کا مفہوم ومصداق
۶) زبان کی ابانت
۷) عربی معلیٰ

اس مضمون میں ہم قراءات متواترہ کے بارے میں اہل سنت اور غامدی صاحب کے مؤقف کا ایک علمی، تحقیقی اور تقابلی جائزہ پیش کریں گے۔

قراءات متواترہ اور اہل سنت کا موقف

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور شریعت اسلامیہ میں اصل الأصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاریخ اسلامی کے ہر دور میں فقہا وعلما نے استنباط احکام کے لیے اسے اپنا مرجع ومصدر بنایا۔ اس کی بہت سی خصوصیات ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے

☆ ریسرچ اسسٹنٹ قرآن اکیڈمی، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سے زائد قراءات کے ساتھ نازل ہوا اور پھر انھی قراءات کے ساتھ امت میں نقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔ ان میں سے بعض قراءات ایسی ہیں جو آج بھی بعض ممالک اسلامیہ میں عوام الناس کی سطح پر رائج ہیں، مثلاً روایت حفص، روایت قالون، روایت ورش اور روایت دوری، جبکہ بعض قراءات ایسی ہیں جو امت کے خواص میں نقل در نقل چلی آ رہی ہیں اور امت کے فقہا، علما، مفسرین، محدثین، مجتہدین اور قرا کا ان قراءات کے قرآن ہونے پر اتفاق ہے۔

علمائے امت نے قراءات کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ قراءات متواترہ: یہ وہ قراءات ہیں جن میں درج ذیل تین شرائط پائی جائیں:

الف) جو آپؐ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو اور ائمہ قراء کے ہاں مشہور ہو۔

ب) جو مصاحف عثمانیہ کے رسم الخط کے مطابق ہو۔

ج) جو لغات عرب میں سے کسی لغت کے مطابق ہو۔

۲۔ قراءات شاذہ: اگر کسی قراءت میں ان تین شرائط میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اسے قراءت شاذہ کہتے ہیں۔

قرآن سے احکام مستنبط کرتے ہوئے قرآن کی قراءات متواترہ کو دلیل بنانے پر مذاہب اربعہ کے جمیع فقہا کا اتفاق ہے، لیکن قراءات شاذۃ کے بارے میں اختلاف ہے۔ احناف اور حنابلہ کا مؤقف یہ ہے کہ قراءات شاذۃ کی اگر سند صحیح ہو تو وہ بطور حدیث حجت ہیں، جبکہ مالکیہ اور شوافع کا نقطہ نظر یہ ہے کہ قراءات شاذہ حدیث کی حیثیت سے بھی حجت نہیں ہیں۔

غامدی صاحب کا نقطہ نظر

غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' میں قراءات متواترہ پر مختلف اعتراضات وارد کرتے ہوئے ان کا انکار کیا ہے۔ غامدی صاحب کے نزدیک قرآن کی متواتر قراءات فتنۂ عجم سے متعلق ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے جسے وہ 'قرأت عامہ' کہتے ہیں۔ یہ وہ قراءت ہے جو مشرق کے اکثر و بیشتر ممالک میں 'روایت حفص' کے نام سے رائج ہے۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

> ''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قرأتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں، وہ سب اس فتنۂ عجم کے باقیات ہیں جس کے اثرات سے ہمارے علوم کا کوئی شعبہ افسوس ہے کہ محفوظ نہیں رہ سکا''۔ (میزان: ص ۳۲)

غامدی صاحب مراکش، تیونس، لیبیا، سوڈان، یمن، موریطانیہ، الجزائر، صومالیہ اور افریقہ کے اکثر و بیشتر ممالک میں رائج قراءات کو قرآن نہیں مانتے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''قرآن وہی ہے جو مصحف میں ثبت ہے اور جسے مغرب کے چند علاقوں کو چھوڑ کر پوری دنیا میں امت مسلمہ کی عظیم اکثریت اس وقت تلاوت کر رہی ہے۔ یہ تلاوت جس قرأت کے مطابق کی جاتی ہے، اس کے سوا کوئی دوسری قرأت

نہ قرآن ہے اور نہ اسے قرآن کی حیثیت سے پیش کیا جا سکتا ہے''۔ (میزان' ص ۲۵، ۲۶)

غامدی صاحب نے قراءات متواترہ کے بارے میں صحاح ستہ میں موجود ''سبعة أحرف'' کی متواتر روایات کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ حضرت ہشام بن حکیمؓ اور حضرت عمرؓ کی روایت پر اعتراضات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اول یہ کہ یہ روایت اگرچہ حدیث کی امہات کتب میں بیان ہوئی ہے' لیکن اس کا مفہوم ایک ایسا معما ہے جسے کوئی شخص اس امت کی پوری تاریخ میں کبھی حل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ امام سیوطی نے اس کی تعیین میں چالیس کے قریب اقوال اپنی کتاب ''الاتقان'' میں نقل کیے ہیں' پھر ان میں سے ہر ایک کی کمزوری کا احساس کر کے مؤطا کی شرح ''تنویر الحوالک'' میں بالآخر یہ اعتراف کر لیا ہے کہ اسے من جملہ متشابہات ماننا چاہیے جن کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا... یہی معاملہ ان روایتوں کا بھی ہے جو سیدنا صدیق اور ان کے بعد سیدنا عثمان کے دور میں قرآن کی جمع و تدوین سے متعلق حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ قرآن' جیسا کہ اس بحث کی ابتدا میں بیان ہوا' اس معاملے میں بالکل صریح ہے کہ وہ براہ راست اللہ کی ہدایت کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حین حیات میں مرتب ہوا' لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔'' (میزان' ص ۳۰، ۳۱)

ذیل میں ہم غامدی صاحب کے ان اعتراضات اور ان کے جوابات کا علی الترتیب ذکر کریں گے:

۱) غامدی صاحب قراءات متواترہ پر تنقید کا شوق پورا فرما رہے ہیں اور کیفیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب 'میزان' میں ص ۲۵ سے لے کر ۳۳ تک ''قرأت کے اختلاف'' کے عنوان سے قراءات متواترہ پر بحث کی ہے اور ''قرأت'' کا لفظ اپنی اس بحث میں تقریباً ۳۴ دفعہ لے کر آئے ہیں اور ہر دفعہ انھوں نے اس لفظ کو 'قرأت' ہی لکھا ہے۔ گویا انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ لفظ 'قرأت' نہیں بلکہ 'قراءت' ہوتا ہے جس کی جمع 'قراءات' ہے۔

۲) غامدی صاحب تو حفاظت قرآن کے بھی قائل نہیں ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ قرآن کی ایک ہی قرأت ہے جو ہمارے مصاحف میں ثبت ہے۔ اس کے علاوہ اس کی جو قرأتیں تفسیروں میں لکھی ہوئی ہیں یا مدرسوں میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں یا بعض علاقوں میں لوگوں نے اختیار کر رکھی ہیں' وہ سب اس فتنۂ عجم کے باقیات ہیں''۔ (میزان: ص ۳۲)

گویا غامدی صاحب قرآن کو محفوظ نہیں سمجھتے۔ اگر قرآن مجید محفوظ ہے تو پھر یہ 'قراءات' امت میں بطور قرآن کیسے رائج و معروف ہو گئیں؟

☆ امام المفسرین ابن جریر طبریؒ سے کر علامہ آلوسیؒ تک ہر مفسر نے اپنی تفسیر میں ان قراءات کا تذکرہ کیا ہے اور ان سے آیات قرآنیہ کی تفسیر و تأویل میں مدد لی ہے۔

☆ یہ قراءات مشرق سے لے کر مغرب تک تقریباً تمام اسلامی ممالک کی عالمی شہرت کی حامل جامعات مثلاً جامعہ ازہر' جامعہ کویت اور مدینہ یونیورسٹی وغیرہ کے نصاب میں شامل ہیں۔

☆ بریلوی ہوں یا اہل حدیث' دیوبندی ہوں یا اہل تشیع' کم و بیش تمام مکاتب فکر کے بڑے بڑے مدارس میں یہ

قراءات سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی ہیں۔

☆ امت مسلمہ کی ایک بہت بڑی تعداد غامدی صاحب کی 'قرأت عامہ' کے مطابق قرآن نہیں پڑھتی۔ مثلاً لیبیا' تیونس اور الجزائر کے بعض علاقوں میں روایت 'قالون' پڑھی جاتی ہے۔ سوڈان' صومالیہ اور یمن (حضر موت) کے علاقے میں روایت 'دوری' میں قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اسی طرح موریطانیہ' الجزائر کے اکثر و بیشتر علاقوں' مراکش اور براعظم افریقہ کے اکثر ممالک میں روایت 'ورش' رائج ہے۔ ہمارا غامدی صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ

☆ کیا ہمارے تمام مفسرین قرآن سے جاہل تھے؟

☆ کیا اللہ تعالیٰ نے 'فتنۂ عجم' کو امت مسلمہ میں اتنا عام کر دیا کہ کیا خواص اور کیا عوام' سب ہی اسے چودہ صدیوں سے قرآن سمجھ کر پڑھ رہے ہیں؟

☆ کیا مذکورہ بالا تمام ممالک میں رہنے والے کروڑوں مسلمان اپنی نمازوں میں قرآن کی بجائے 'فتنۂ عجم' کی تلاوت کرتے ہیں؟ واضح رہے کہ اکیلی روایت 'ورش' دنیا کے تقریباً چالیس ممالک میں رائج ہے۔

☆ کیا غامدی صاحب مراکش' لیبیا' تیونس' الجزائر' موریطانیہ' سوڈان' صومالیہ' یمن' مغربی ممالک اور براعظم افریقہ کے کروڑوں مسلمانوں کو امت مسلمہ میں شامل نہیں سمجھتے؟

☆ کیا عالم عرب و عجم کے تمام معروف قرا کی مختلف 'قراءات' میں آڈیو اور ویڈیو کیسٹس 'مشرق' میں عام نہیں ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امت مسلمہ میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی روایت' روایت حفص ہے لیکن امت کی ایک معتد بہ تعداد میں روایت قالون' ورش اور دوری بھی رائج ہے اور ان 'قراءات' کا امت مسلمہ میں رائج ہونا ہی ان کے قرآن ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے' کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر:۹)

''بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

جب اللہ تعالیٰ نے خود قرآن کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے تو ایک ایسی چیز جو قرآن نہیں ہے، وہ امت مسلمہ میں بطور قرآن کیسے رائج ہو سکتی ہے؟

غامدی صاحب کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ جس طرح وہ صرف اسی قراءت کے قائل ہیں جو مشرق کے عوام الناس میں رائج ہے اور مغرب میں پڑھی جانے والی قراءات کے انکاری ہیں، اسی طرح مغرب میں بھی بعض ایسے لوگ موجود ہیں جو صرف اسی قراءت کو حق سمجھتے ہیں جو ان کے علاقوں میں پڑھی جاتی ہے اور غامدی صاحب کی 'قرأت عامہ' ان کے نزدیک قرآن نہیں ہے' بلکہ وہ اپنے ہاں رائج قراءت کو ہی 'قرأت عامہ' کہتے ہیں۔

۳) غامدی صاحب کے نزدیک قرآن کی صرف ایک ہی قراءت ہے جو کہ مصاحف میں ثبت ہے۔ سوال یہ ہے کہ ''ہمارے مصاحف'' سے غامدی صاحب کی کیا مراد ہے؟ 'المورد' کے تصدیق شدہ مصاحف یا امت مسلمہ کے مصاحف؟ اگر تو ان کی مراد 'المورد' کے مصاحف ہیں تو پھر بھی مانتے ہیں کہ قرآن کی ایک ہی قراءت ہے' لیکن اگر ان کی مراد امت مسلمہ کے مصاحف ہیں تو وہ جس طرح روایت حفص میں ہمارے ممالک میں موجود ہیں، اسی طرح روایت قالون' روایت

ورش، روایت دوری کے مطابق یہ مصاحف لاکھوں کی تعداد میں متعلقہ ممالک میں باقاعدہ ان ممالک کی حکومتوں کی زیر نگرانی ایسے ہی شائع کیے جاتے ہیں جیسے کہ غامدی صاحب کا 'قرأت عامہ' کا مصحف۔ اب تو 'مجمع الملک الفھد' نے بھی لاکھوں کی تعداد میں روایت دوری، قالون اور ورش کے مطابق مصاحف کو متعلقہ ممالک کے مسلمانوں کے لیے شائع کیا ہے۔ مختلف قراءات کے رسم الخط کے مطابق طبع شدہ یہ مصاحف ہمارے پاس بھی موجود ہیں۔ لہٰذا ثابت یہ ہوا کہ جو مصاحف امت مسلمہ میں رائج ہیں، وہ ایک سے زائد قراءات پر مشتمل ہیں اور غامدی صاحب کا یہ دعویٰ بے بنیاد ہے کہ ہمارے مصاحف میں ایک ہی قراءت ثبت ہے۔

۴) قراءات قرآنیہ کے نقل کرنے میں دس امام ایسے ہیں جنہیں بہت شہرت حاصل ہوئی اور مابعد کے زمانوں میں یہ قراءات، انہی ائمہ کے ناموں سے معروف ہوگئیں۔ ان ائمہ کے نام درج ذیل ہیں: امام نافعؒ (متوفی ۱۶۹ھ)، امام ابن کثیر مکیؒ (متوفی ۱۲۰ھ)، امام ابو عمرو بصریؒ (متوفی ۱۵۴ھ)، امام ابن عامر شامیؒ (متوفی ۱۱۸ھ)، امام عاصمؒ (متوفی ۱۲۷ھ)، امام حمزہؒ (متوفی ۱۸۸ھ)، امام کسائیؒ (متوفی ۱۸۹ھ)، امام ابو جعفرؒ (متوفی ۱۳۰ھ)، امام یعقوبؒ (متوفی ۲۲۵ھ)، امام خلفؒ (متوفی ۲۰۵ھ)۔ ان ائمہ کی قراءات 'قراءات عشرۃ' کہلاتی ہیں اور ان سے ان قراءات کو نقل کرنے والے ان کے سینکڑوں شاگرد ہیں، لیکن ہر امام کی قراءت بعد ازاں اس کے دو شاگردوں سے معروف ہوئی۔ ان شاگردوں کی اپنے امام سے نقل، قراءتِ قرآن کی 'روایت' کہلاتی ہے۔ پس ہر امام کے دو شاگردوں کے اعتبار سے قرآن کی کل بیس روایات ہوئیں۔ ان بیس روایات میں سے چار روایات ایسی ہیں جو کہ امت مسلمہ کے مختلف علاقوں میں عوامی سطح پر رائج ہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں، جبکہ باقی چودہ روایات قرا کی ایک بہت بڑی تعداد سے نقل در نقل چلی آ رہی ہیں اور ان تمام قراءات کی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک باقاعدہ اسناد موجود ہیں۔ غامدی صاحب ان بیس کی بیس روایات قرآنیہ کے منکر ہیں اور انھیں فتنۂ عجم قرار دیتے ہیں۔ انھی بیس روایات میں سے ایک روایت 'روایت حفص' ہے اور حفص، امام عاصم کے شاگرد ہیں۔ کیا ہی عجب حسن اتفاق ہے کہ 'روایت حفص' لفظ بلفظ وہی ہے جسے غامدی صاحب 'قرأت عامہ' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اسے قرآن کہتے ہیں۔ اب غامدی صاحب اگر اس روایت کا انکار کریں تو اپنی ہی 'قرأت عامہ' کے بھی انکاری ہوں گے اور اگر وہ اس روایت حفص کو مان لیں تو باقی انیس روایات کو ماننے سے انکار کیوں؟ اگر 'قرأت عامہ' سے غامدی صاحب کی مراد عوام الناس کی قراءت ہے تو روایت حفص، روایت ورش، روایت قالون اور روایت دوری بھی تو عوام الناس ہی کی قراءات ہیں، ان کو ماننے سے غامدی صاحب کیونکر انکار کر سکتے ہیں؟ غامدی صاحب کے نزدیک دین یا تو قولی تواتر سے ثابت ہوتا ہے یا عملی تواتر سے، جبکہ قرآن کی مندرجہ بالا روایات اُربعہ قولی تواتر سے بھی ثابت ہیں اور عملی تواتر سے بھی، اس کے باوجود غامدی صاحب ان روایات کو قرآن ماننے سے انکاری ہیں۔

۵) غامدی صاحب کے نزدیک قراءات متواترہ کے بارے میں مروی وہ تمام روایات جو صحاح ستہ میں موجود ہیں، سنداً اور معناً دونوں اعتبارات سے نا قابل قبول ہیں۔ سنداً اس لیے کہ ان تمام روایات کی سند میں ابن شہاب زہری ہیں جو ائمہ رجال کے نزدیک مدلس و مدرج ہیں، اور معناً اس لیے کہ ان احادیث کے معنی و مفہوم کا آج تک تعین نہیں ہو سکا۔

غامدی صاحب کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن کو حدیث کی دلیل سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن اپنے

ثبوت کے لیے کسی حدیث کا محتاج نہیں ہے۔ غامدی صاحب جس کو 'قرأت عامہ' کہتے ہیں، کیا وہ حدیث سے ثابت ہے؟ قرآن کا اجماع اور تواتر کے ساتھ امت میں نقل ہونا ہی اس کے ثبوت کی سب سے بڑی دلیل ہے' اور 'قراءات عشرہ' تواتر اور اجماع کے ساتھ ثابت ہیں۔ مشہور مفسر اور اندلسی عالم ابن عطیہؒ لکھتے ہیں:

و مضت الأعصار و الأمصار على قراءات الأئمة السبعة بل العشرة و بها يصلى لأنها تثبت بالاجماع (المحرر الوجیز' ابن عطیۃ' جلد ۱' ص ۹)

''قراءات سبعہ بلکہ عشرہ بھی ہر زمانے اور ہر شہر میں رائج رہی ہیں اور ان کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے کیونکہ یہ اجماع امت سے ثابت ہیں۔''

آج بھی مدارس و جامعات اسلامیہ کے ہزاروں طلبا ان قراءات کو اپنے شیوخ سے نقل کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض قراءات تو مغرب و افریقہ کے بلاد اسلامیہ میں اسی طرح رائج ہیں جس طرح ہمارے ہاں روایت حفص' اور ان کا تواتر کے ساتھ امت میں پڑھا جانا ہی ان کے قرآن ہونے کے ثبوت کے لیے قطعی دلیل ہے۔

۶) غامدی صاحب نے ''سبعۃ احرف'' کی روایات پر اعتراض یہ کیا ہے کہ اس کے معنی و مفہوم کے تعین میں علما کے تقریباً چالیس اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ اس کے لیے غامدی صاحب نے امام سیوطیؒ کا حوالہ نقل کیا ہے، لیکن کاش وہ امام سیوطیؒ کی کتاب 'الاتقان' کھول کر دیکھنے کی زحمت بھی گوارا کر لیتے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام سیوطیؒ نے چالیس نہیں بلکہ سولہ اقوال اپنی کتاب میں بیان کیے ہیں' البتہ ابن حبانؒ کے حوالے سے امام سیوطیؒ نے پینتیس اقوال کا تذکرہ کیا ہے۔ ان پینتیس اقوال کو غامدی صاحب نے ایک صحیح متواتر روایت کے انکار کی دلیل بنایا ہے۔ اس ضمن میں ہم غامدی صاحب سے درج ذیل سوال کرنا چاہیں گے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا بظاہر پینتیس نظر آنے والے یہ اقوال کیا واقعتاً پینتیس ہی ہیں؟ اگر ہم غور کریں تو یہ درحقیقت سات اقوال ہیں: ایک قول تو یہ ہے کہ سبعۃ احرف سے مراد مضامین قرآن ہیں۔ پھر اس میں آگے اختلاف ہے کہ کون سے مضامین مراد ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ سبعہ احرف سے مراد سات لغات ہیں۔ پھر آگے اس میں اختلاف ہے کہ کن قبائل کی لغات مراد ہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صحابہ کی سات قراءات ہیں۔ چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات حروف تہجی ہیں۔ پانچواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے سات نام ہیں۔ چھٹا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سات قسم کے اعراب ہیں۔ ساتواں قول یہ ہے کہ اس سے مراد حروف کی ادائیگی کی مختلف کیفیات ہیں۔ اسی لیے امام سیوطیؒ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد ابن حبانؒ کا قول نقل کیا ہے۔

و هى أقاويل يشبه بعضها بعضا (الاتقان: جلد ۱' ص ۴۹)

''یہ اقوال ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔''

اس کے بعد امام سیوطیؒ نے امام مزنی المرسیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے:

وقال المرسى هذه الوجوه أكثرها متداخلة (الاتقان: جلد ۱' ص ۴۹)

''مرسی نے کہا ہے کہ یہ اقوال ایک دوسرے میں پیوستہ ہیں۔''

باہم متشابہ اور متداخل اقوال کو غامدی صاحب نے چالیس اقوال سمجھ لیا اور اس بنا پر سبعہ احرف کی متواتر روایت کا انکار کر دیا۔

دوسری بات یہ کہ بالفرض ہم مان لیں کہ یہ چالیس اقوال ہیں جیسا کہ غامدی صاحب کا کہنا ہے تو اگر قرآن کی کسی آیت کی تفسیر میں پینتیس یا چالیس اقوال نقل ہو جائیں تو کیا اس بنیاد پر غامدی صاحب قرآن کی اس آیت کا انکار کر دیں گے کہ اس آیت کے معنی و مفہوم کے تعین میں چالیس قوال نقل ہوئے ہیں؟ چالیس تو چھوڑیے، اگر ہم بدعتی فرقوں مثلاً باطنیہ، روافض اور صوفیا کی تفاسیر کا مطالعہ کریں تو ہمیں ایک ایک آیت کی تفسیر میں ستر ستر اقوال بھی ملتے ہیں تو کیا ہم صرف اس بنا پر قرآن کی اس آیت کو ماننے سے انکار کر دیں گے؟

سب سے اہم اور تیسری بات تو یہ ہے کہ یہ کیسے ثابت ہوگا کہ یہ پینتیس اقوال مختلف پینتیس علما کے ہیں۔ بعض افراد نے ان اقوال کو اپنی کتابوں میں نقل تو کر ہی دیا ہے، لیکن ان کے قائلین کو کوئی آج تک نہ جان سکا، جیسا کہ امام سیوطی نے امام مزنی المرسی کے حوالے سے نقل کیا ہے:

وقال المرسی هذه الوجوه أكثرها متداخلة و لا أدری مستندها و لا عمن نقلت (الاتقان: جلد ۱، ص ۴۹)

''مرسی نے کہا ہے کہ یہ اقوال ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور میں نہیں جانتا کہ ان کی سند کیا ہے یا کس سے یہ منقول ہیں؟''

ان اقوال کی باہمی مشابہت و مماثلت دیکھنے کے بعد اندازہ یہی ہوتا ہے کہ دو چار نامعلوم اور گم نام افراد نے سبعہ احرف کی تشریح میں مختلف احتمالات پیش کیے تھے جنہیں بعد میں آنے والوں نے مستقل اقوال کی حیثیت سے نقل کر دیا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ان پینتیس اقوال میں سے اکثر و بیشتر کی تردید خود سبعہ احرف کی روایات سے ہو رہی ہے کیونکہ اکثر و بیشتر اقوال کا جائزہ لیں تو واضح ہوتا ہے کہ ان اقوال کی رو سے 'سبعۃ أحرف' کا تعلق قرآن کے مضامین یا معانی سے ہے جبکہ 'سبعۃ أحرف' کی اکثر و بیشتر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ 'سبعۃ أحرف' کا تعلق الفاظ سے ہے۔ مثلاً حضرت ہشام بن حکیمؓ اور حضرت عمرؓ میں آپس میں قراءت کا اختلاف ہوا تو حضرت عمرؓ حضرت ہشامؓ کو ان کی چادر سے کھینچتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے اور آپؐ سے کہا کہ میں نے اس (یعنی ہشام بن حکیمؓ) کو سورہ فرقان ان حروف کے ساتھ پڑھتے سنا ہے جن حروف کے ساتھ آپؐ نے مجھے یہ سورت نہیں پڑھائی۔ آپؐ نے حضرت عمر سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور ہشامؓ سے کہا کہ تم پڑھو۔ حضرت ہشام نے اس قراءت کے مطابق پڑھا جو حضرت عمر نے ان سے سنی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلمؐ نے کہا کہ یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ پھر آپؐ نے کہا کہ اے عمرؓ اب تم پڑھو۔ حضرت عمر نے اس سورت کو اس قراءت کے مطابق پڑھا جس پر آپؐ نے انھیں پڑھایا تھا تو آپؐ نے کہا کہ یہ سورت اسی طرح نازل کی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا ہے، پس ان میں سے جو بھی تمہیں آسان لگے، اس کے مطابق پڑھ لو۔ (صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف)

اسی لیے امام سیوطیؒ امام مزنیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و أكثرها معارضة لحديث عمر و هشام ابن حكيم الذی فی الصحيح فانهما لم يختلفا فی تفسيره و لا أحكامه و انما اختلفا فی قراءة حروفه
(الاتقان: جلد۱ ص۴۹)

''ان میں سے اکثر اقوال حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ کی حدیث کے خلاف ہیں جو کہ صحاح میں ہے۔ حضرت عمرؓ اور ہشام بن حکیمؓ کا اختلاف قرآن کی تفسیر یا اس کے احکام میں نہ تھا بلکہ ان دونوں حضرات نے قرآن کے حروف کے پڑھنے میں آپس میں اختلاف کیا تھا۔''

جب خود روایت کے الفاظ سے ہی اس کے معنی کے تعین میں وارد اقوال کی تردید ہو رہی ہو تو ان اقوال کو اس روایت کی تشریح و توضیح کے ضمن میں پیش کرنا اور ان میں اختلاف کی بنیاد پر روایت ہی کو رد کر دینا کون سی عقل مندی ہے؟

پانچویں بات یہ کہ جہاں تک سبعہ احرف کے معنی و مفہوم کے تعین کی بحث ہے تو اس بارے میں فقہا و علما کے بنیادی اقوال دو ہی ہیں:

پہلا قول وہ ہے جو علما میں امام رازی کے حوالے سے معروف ہوا کہ سبع احرف سے مراد سات وجوہ ہیں جو قراءات کے تمام اختلافات کو محیط ہیں اور وہ وجوہ اختلاف درج ذیل ہیں: اسماء کا اختلاف (یعنی تذکیر و تانیث اور جمع و افراد وغیرہ)، تصریف افعال کا اختلاف (ماضی' مضارع اور امر وغیرہ)' وجوہ اعراب کا اختلاف' نقص و زیادت کا اختلاف' تقدیم و تاخیر کا اختلاف' اختلاف ابدال' اختلاف لغات (یعنی لہجات کا اختلاف)۔ یہی قول امام مالکؒ' قاضی ابو بکر باقلانیؒ' ابن قتیبہ دینوریؒ' علامہ ابن الجزریؒ وغیرہ سے کچھ اختلاف کے ساتھ منقول ہے۔

دوسرا قول علما میں ابن جریر طبریؒ کے حوالے سے معروف ہوا، وہ یہ کہ سبع احرف سے مراد مختلف عرب قبائل کی سات لغات ہیں جن میں تھوڑا بہت اختلاف موجود تھا۔ اسی قول کو امام ابو عبید قاسم بن سلامؒ' سفیان بن عیینہؒ' ابن وہبؒ' احمد بن یحییٰؒ، امام طحاویؒ' امام ابو حاتم السجستانیؒ' امام بیہقیؒ' علامہ ابن جوزیؒ' علامہ ابن الاثیر الجزریؒ' ابن عبد البرؒ اور شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ وغیرہ نے کچھ اختلاف کے ساتھ اختیار کیا ہے' بلکہ ابن عبد البرؒ نے تو اسے جمہور علما کا قول قرار دیا ہے۔

ان دونوں اقوال میں بھی قدر مشترک یہ ہے کہ ان کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ 'سبعة أحرف' سے مراد قرآن کے الفاظ کو سات طرح سے پڑھنا ہے۔ پہلے قول کے قائلین کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد قرآن کو پڑھنے کے سات قسم کے اختلافات ہیں، جبکہ دوسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ اس سے مراد سات لغات میں قرآن کو پڑھنا ہے۔

ہم ان دونوں اقوال میں موجود اختلاف کا انکار نہیں کرتے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ اختلاف' اختلاف تضاد نہیں ہے بلکہ اختلاف تنوع ہے کیونکہ دونوں گروہوں کے اقوال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قرآن کی ایک سے زائد قراءات ہیں جن کے مطابق قرآن کو پڑھنا صحیح ہے، جبکہ غامدی صاحب قرآن کی ایک سے زائد قراءات کو نہیں مانتے۔ ان دو کے علاوہ جتنے بھی اقوال ہیں، ان کی نہ تو کوئی سند ہے' نہ ہی ان کے قائلین کی کسی کو خبر ہے اور نہ ہی وہ کسی قسم کا علمی وزن رکھتے ہیں۔ لہٰذا ایسے اقوال پر بحث کرنا صرف اور صرف وقت کا ضیاع ہے۔

۷) غامدی صاحب نے سبعہ احرف والی روایات کو سنداً ضعیف قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ ایسی تمام روایات

کی سند میں ایک راوی ابن شہاب زہریؒ ہے جسے وہ مدلس اور مدرج قرار دیتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن یہ روایتیں اس کے برخلاف ایک دوسری ہی داستان سناتی ہیں جسے نہ قرآن قبول کرتا ہے اور نہ عقل عام ہی کسی طرح ماننے کے لیے تیار ہو سکتی ہے۔ صحاح میں یہ اصلاً ابن شہاب زہری کی وساطت سے آئی ہیں۔ ائمہ رجال انھیں تدلیس اور ادراج کا مرتکب تو قرار دیتے ہی ہیں' اس کے ساتھ اگر وہ خصائص بھی پیش نظر رہیں جو امام لیث بن سعد نے امام مالک کے نام اپنے ایک خط میں بیان فرمائے ہیں تو ان کی کوئی روایت بھی' بالخصوص اس طرح کے اہم معاملات میں قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ وہ لکھتے ہیں:.... اور ابن شہاب سے جب ہم ملتے تھے تو بہت سے مسائل میں اختلاف ہو جاتا تھا اور ہم میں سے کوئی جب ان سے لکھ کر دریافت کرتا تو علم و عقل میں فضیلت کے باوجود ایک ہی چیز کے متعلق ان کا جواب تین طرح کا ہوا کرتا تھا جن میں سے ہر ایک دوسرے کا نقیض ہوتا اور انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس سے پہلے کیا کہہ چکے ہیں۔ میں نے ایسی ہی چیزوں کی وجہ سے ان کو چھوڑا تھا' جسے تم نے پسند نہیں کیا''۔ (میزان' ص ۳۰، ۳۱)

اب ہم امام ابن شہاب زہریؒ کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل' ائمہ محدثین اور ائمہ فقہا اور معاصر علما کی آرا نقل کرتے ہیں:

امام ابن حجرؒ (متوفی ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ابن شہاب فقیہ اور 'الحافظ' ہیں، ان کی بزرگی اور حافظے کی پختگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔ (تقریب: جلد ۲' ص ۲۰۷) امام ذہبیؒ (متوفی ۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: محمد بن مسلم 'الحافظ' اور 'الحجۃ' ہیں۔ (میزان الاعتدال: جلد ۴' ص ۴۰) امام ابن حبانؒ (متوفی ۳۵۴ھ) لکھتے ہیں: انھوں نے دس صحابہ کی زیارت کی ہے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے حدیث کے حافظ تھے اور احادیث کے متون کو بیان کرنے میں سب سے اچھے تھے اور فقیہ اور فاضل تھے۔ (کتاب الثقات: جلد ۳' ص ۴) امام احمد العجلیؒ فرماتے ہیں: تابعی اور ثقہ تھے۔ (تاریخ الثقات: ص ۴۱۲) حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا کہ تم ابن شہابؒ کو لازم پکڑو کیونکہ گزری ہوئی سنن کے بارے میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں ہے۔ (کتاب الجرح والتعدیل: ص ۱۲) ابن القاسمؒ نے کہا ہے: میں نے امام مالکؒ سے سنا، وہ کہہ رہے تھے کہ ابن شہابؒ باقی رہ گئے اور ان کی کوئی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: جلد ۴' ص ۱۴۰) امام احمدؒ کی رائے یہ ہے: لوگوں میں حدیث کے اعتبار سے سب سے بہتر اور سند کے اعتبار سے سب سے عمدہ ہیں۔ (أیضا: ص ۱۴۱) امام ابو حاتم الرازیؒ کی رائے میں حضرت أنسؓ کے أصحاب میں سب سے زیادہ 'ثابت' امام زہریؒ ہیں۔ (ایضاً) 'قتادہؒ کی رائے یہ ہے کہ گزشتہ سنن کے بارے میں ابن شہابؒ سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ (ایضاً) یحییٰ بن سعیدؒ کی رائے میں کسی ایک کے پاس بھی وہ علم نہیں رہا جو ابن شہابؒ کے پاس ہے۔ (ایضاً) سعید بن عبد العزیزؒ کی رائے میں وہ تو علم کا ایک سمندر ہے۔ (أیضا: ص ۱۴۲) سفیان ثوریؒ کی رائے میں امام زہریؒ اہل مدینہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ (أیضا: ص ۱۴۰) عمرو بن دینارؒ کی رائے یہ ہے کہ حدیث کی سند بیان کرنے میں' زہریؒ سے بڑھ کر میں نے کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (أیضا: ص ۱۴۰) ابو ایوب سختیانیؒ کی رائے میں نے ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔ (تذکرۃ الحفاظ: جلد ۱' ص ۱۰۹) امام لیثؒ بن سعد فرماتے ہیں کہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سخاوت کرنے والے تھے۔ (أیضا: ص ۱۰۹) أبو صالح' امام لیث بن سعدؒ سے

نقل کرتے ہیں کہ میں ابن شہاب زہریؒ سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا۔ (ایضا: ص ۱۱۰) امام نسائیؒ نے کہا کہ سب سے بہتر اسناد جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں، وہ چار ہیں: زہریؒ حضرت علی بن حسینؒ سے، وہ حسین بن علیؓ سے، وہ حضرت علیؓ سے، وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اور زہریؒ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ ابن عباسؓ سے، وہ حضرت عمرؓ سے، اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ (تہذیب الکمال: جلد ۶، ص ۵۱۲) سفیان بن عیینہؒ عمرو بن دینارؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے حدیث کی سند بیان کرنے میں زہریؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ (ایضاً) محمد بن سعدؒ نے کہا: محدثین کا کہنا ہے کہ زہری ثقہ راوی ہے اور کثرت سے علم رکھنے والا، احادیث کو جاننے والا اور احادیث کو نقل کرنے والا ہے۔ (ایضاً) مکحولؒ نے کہا کہ زمین کی پشت پر گزری ہوئی سنت کے بارے میں زہریؒ سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا۔ (ایضاً) ابو بکر الھذلیؒ کہتے ہیں کہ میں حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ کے ساتھ بیٹھا، لیکن میں نے زہریؒ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔ (ایضاً) امام دارمیؒ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معینؒ سے کہا کہ زہریؒ آپ کو سعید بن مسیبؒ سے زیادہ محبوب ہے یا قتادہ؟ تو انھوں نے کہا دونوں۔ میں نے پھر کہا کہ وہ دونوں آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا یحییٰ بن سعید تو یحییٰ بن معینؒ نے کہا: یہ سب ثقہ راوی ہیں۔ (ایضاً) علی بن مدینیؒ نے کہا کہ حدیث کا علم امت محمد میں چھ افراد نے محفوظ کیا۔ اہل مکہ میں سے عمرو بن دینارؒ نے اور اہل مدینہ میں ابن شہاب الزہریؒ نے.... (تہذیب الکمال، جلد ۱۲، ص ۸۴)

امام ابن شہاب زہریؒ کی تعدیل وتوصیف سے اسماء الرجال کی کتب بھری پڑی ہیں۔ غامدی صاحب کو امام زہریؒ کے بارے میں جلیل القدر معاصر ومتأخر فقہا، تابعین اور محدثین کے یہ اقوال تو نظر نہ آئے اور اگر کچھ نظر آیا تو وہ امام لیث بن سعدؒ کا وہ قول ہے جو ابن قیمؒ نے اپنی کتاب 'اعلام الموقعین' میں نقل کیا ہے۔ اس قول کے بارے میں ہماری رائے درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ 'اعلام الموقعین' اسماء الرجال کی کتاب نہیں ہے۔ ہم غامدی صاحب کو یہ مشورہ دیں گے کہ امام زہریؒ کی شخصیت پر اگر بحث کرنی ہے تو اسماء الرجال کی کتب میں موجود ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال کی روشنی میں کریں۔

دوسری بات یہ کہ امام لیث بن سعدؒ کا وہ خط جس کا غامدی صاحب نے حوالہ دیا ہے، تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے۔ غامدی صاحب نے اس خط میں سے اپنے کام کی تین چار سطریں نکال لیں، حالانکہ اگر اس خط کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام لیث بن سعدؒ نے جو اتنا لمبا چوڑا خط امام مالکؒ کو لکھا ہے، اس کا موضوع امام زہریؒ کی شخصیت نہیں ہے بلکہ اس کا موضوع امام لیث بن سعدؒ اور امام مالکؒ کے درمیان ایک مسئلے میں علمی اختلاف ہے اور وہ یہ کہ امام لیث بن سعدؒ کے نزدیک 'عمل اہل مدینہ' کے خلاف فتویٰ دینا جائز ہے، جبکہ امام مالکؒ اس کو ناجائز قرار دیتے تھے۔ اس پر امام لیث بن سعدؒ نے امام مالکؒ کو خط لکھا جس میں مدینہ کے علما کے باہمی اختلاف اور ان کی آرا کے کمزور پہلوؤں کو اجاگر کیا۔ ان علماے مدینہ میں ایک ابن شہاب زہریؒ بھی تھے۔ یہ تو ایک فقہی اختلاف ہے جس کی کچھ عبارت کو جناب غامدی صاحب نے درمیان سے اٹھا لیا اور اسے امام لیث بن سعدؒ کی 'ابن شہاب زہریؒ پر تنقید' کے عنوان سے پیش کر دیا حالانکہ امام لیث بن سعدؒ نے امام زہریؒ کے علم حدیث میں مقام ومرتبے کو بیان کرتے وقت اسی مبالغے کا اظہار کیا ہے جو کہ تمام علماے جرح وتعدیل

سے منقول ہے۔ امام لیثؒ فرماتے ہیں:

وقال أبو صالح عن الليث بن سعد ما رأيت عالما قط أجمع من ابن شهاب ولا أكثر علما منه .... (تہذیب الکمال: جلد ۶، ص ۵۱۲)

''أبو صالحؒ امام لیث بن سعدؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں ابن شہاب زہریؒ سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے بڑے کسی عالم کو دیکھا ہے....'

كتبت من علم محمد بن شهاب الزهري علما كثيرا (وفیات الأعیان: جلد ۴، ص ۱۲۷)

''میں نے امام ابن شہاب الزہریؒ کے علم میں سے بہت سے کو لکھا۔''

تیسری بات یہ کہ غامدی صاحب کے بقول امام زہریؒ کے بارے میں امام لیث بن سعدؒ نے یہ اعتراض کیا کہ ایک ہی مسئلے میں بعض اوقات ان کے فتاویٰ جات مختلف ہوتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایک ہی مسئلے میں امام مالکؒ امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جیسے جلیل القدر فقہا کی بھی ایک سے زائد آرا منقول ہوتی ہیں کیونکہ فتویٰ حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ بعض اوقات ایک شخص کو دیکھ کر مفتی ایک مسئلے میں ایک فتویٰ دیتا ہے اور بعض اوقات دوسرے شخص کو اس کے حالات کے مطابق بالکل اس کے برعکس فتویٰ دیتا ہے، جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نوجوان کو روزے کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینے سے روک دیا، جبکہ ایک بوڑھے شخص کو اس کی اجازت دے دی۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک عالم ایک مسئلے میں ایک فتویٰ دیتا ہے اور بعد میں اس کی رائے تبدیل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے بالکل برعکس فتویٰ دیتا ہے، جیسا کہ امام شافعیؒ کے بارے میں معروف ہے کہ ان کی ایک قدیم رائے ہے اور ایک جدید رائے ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ امام لیث بن سعدؒ نے امام زہریؒ پر جو جرح کی ہے، وہ ان کے فتاویٰ جات کے اعتبار سے ہے نہ کہ ان کی حدیث بیان کرنے کے اعتبار سے۔ اگر وہ حدیث کے معاملے میں بھی ایسا ہی کرتے کہ کبھی ایک روایت کو کچھ الفاظ کے ساتھ اور کبھی اس کے بالکل برعکس الفاظ کے ساتھ نقل کرتے تو امام لیثؒ اس کا ضرور تذکرہ فرماتے۔ جتنی جرح نقل کر کے غامدی صاحب امام زہریؒ کی شخصیت کو متنازعہ بنانا چاہتے ہیں، اتنی جرح تو ائمہ رجال کے ہاں حدیث کے مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ پر بھی موجود ہے، لیکن اس جرح کے باوجود امام ابوحنیفہؒ کی ایک فقیہ کی حیثیت سب کے نزدیک متفق علیہ اور مسلم ہے، اس لیے امام زہریؒ کے فتاویٰ پر جرح سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ وہ حدیث میں بھی مجروح ہوں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ غامدی صاحب نے امام زہریؒ کے بارے میں امام لیث بن سعدؒ کی جو ایک رائے نقل کی ہے، اگر کسی ایک شخص کی رائے پر ہی کسی کے علمی مقام و مرتبے کے تعین کا انحصار ہے تو ایسی آرا تو ہر فقیہ اور محدث کی ذات یا اس کی کتب کے بارے میں موجود ہیں، تو کیا اس وجہ سے ان کے تمام علمی کام اور مرتبے کا انکار کر دیا جائے گا؟

۸) جناب غامدی صاحب نے امام زہریؒ کی روایات قبول نہ کرنے کی جو تین وجوہات بیان کی ہیں، ان میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ تدلیس کرتے ہیں۔ غامدی صاحب جن ائمہ رجال پر اعتماد کرتے ہوئے امام زہریؒ کو تدلیس اور ادراج کا مرتکب قرار دے رہے ہیں، وہی ائمہ رجال امام زہریؒ کی روایات کو قبول کرتے ہیں۔ صحاح ستہ کے مؤلفین نے امام زہریؒ سے روایات لی ہیں اور ائمہ جرح وتعدیل نے ان پر صحیح کا حکم بھی لگایا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ محدثین و رجال

کے نزدیک امام زہریؒ کی روایات مردود نہیں بلکہ مقبول ہیں۔ امام زہریؒ کی 'سبعۃ أحرف' کی جس روایت پر غامدی صاحب تنقید کر رہے ہیں اور اس کو مردود قرار دے رہے ہیں، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے جس کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے۔

قابل غور بات یہ ہے کہ علم حدیث میں غامدی صاحب کا مقام و مرتبہ کیا ہے یا ان کی خدمات کیا ہیں جس کی بنیاد پر وہ صحیح بخاری کی روایات کو مردود کہہ رہے ہیں؟ امام بخاریؒ کہہ رہے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے اور ان کی رائے کو قبول کیا جائے تو بات سمجھ میں بھی آتی ہے کیونکہ وہ حدیث کے امام ہیں۔ اسی طرح اگر امام دارقطنیؒ صحیح بخاری کی روایات پر تنقید کریں تو بات سمجھ میں آتی ہے کیونکہ وہ اس کے اہل بھی ہیں اور فن حدیث اور اس کی اصطلاحات کی روشنی میں ہی روایات پر بحث کرتے ہیں، لیکن غامدی صاحب جیسے محقق اگر صحیح بخاری کی روایات کو مردود کہنے لگ جائیں تو علم دین کا اللہ ہی حافظ ہے، کیونکہ نہ تو وہ فن حدیث اور اس کی اصطلاحات سے 'کما حقہ' واقف ہیں اور نہ ہی وہ اس کے طے شدہ اصولوں کی روشنی میں احادیث کے بارے میں فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند مزید پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھنا چاہیے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ صرف تدلیس کوئی ایسا عیب نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی راوی کی روایات کو مردود قرار دیا جائے۔ امام ابن صلاحؒ فرماتے ہیں:

أن التدليس ليس كذبا وانما هو ضرب من الايهام بلفظ محتمل (مقدمہ ابن الصلاح: جلد ۱، ص ۱۴)

''تدلیس جھوٹ نہیں ہے۔ یہ تو محتمل الفاظ کے ساتھ ایہام کی ایک قسم ہے۔''

دوسری بات یہ ہے کہ امام زہریؒ کی تدلیس وہ تدلیس نہیں ہے جس معنی میں متاخرین اس کو تدلیس کہتے ہیں بلکہ وہ ارسال ہی کی ایک قسم ہے کہ جس کو بعض متقدمین نے تدلیس کہہ دیا۔ شیخ ناصر بن احمد الفہد لکھتے ہیں:

لم أجد أحدا من المتقدمين وصفه بالتدليس غير أن ابن حجر ذكر أن الشافعي و الدارقطني وصفاه بذلك والذي يظهر أنهما أرادا الارسال لا التدليس بمعناه الخاص عند المتأخرين أو أنهم أرادوا مطلق الوصف بالتدليس غير القادح .... و هو من أهل المدينة و التدليس لا يعرف في المدينة (منہج المتقدمین فی التدلیس: ص ۶۰ تا ۶۱)

''میں نے متقدمین میں سے کسی ایک کو بھی نہیں پایا جس نے امام زہریؒ کو تدلیس سے موصوف کیا ہو، صرف ابن حجر نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ اور امام دارقطنیؒ نے ان کو تدلیس سے موصوف کیا ہے۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ امام زہریؒ ارسال کے مرتکب تھے نہ کہ اس معنی میں تدلیس کے جس معنی میں یہ متاخرین میں معروف ہے، یا ان کا مقصد امام زہریؒ کو مطلقاً ایسی تدلیس سے موصوف کرنا تھا جو کہ عیب دار نہ ہو... امام زہریؒ اہل مدینہ میں سے ہیں اور اہل مدینہ میں تدلیس معروف نہ تھی۔''

تیسری بات یہ کہ امام زہریؒ سے تدلیس شاذ و نادر ہی ثابت ہے، امام ذہبیؒ لکھتے ہیں:

كان يدلس فی النادر (میزان الاعتدال: جلد۴، ص۴۰)

''وہ شاذ و نادر ہی تدلیس کرتے تھے۔''

باقی ابن حجرؒ کا یہ کہنا کہ امام زہریؒ تدلیس میں مشہور تھے، صحیح نہیں ہے کیونکہ متقدمین میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کی۔ شیخ ناصر بن حمد الفہد لکھتے ہیں:

و یعسر اثبات تدلیس الزهری (التدلیس الخاص) فضلا عن أن یشتهر به (منہج المتقدمین فی التدلیس: ص۶۲)

''امام زہریؒ کے بارے میں تدلیس (تدلیس خاص) کو ثابت کرنا ہی مشکل ہے چہ جائیکہ یہ دعویٰ کیا جائے کہ وہ تدلیس میں مشہور تھے۔''

امام صنعانیؒ نے بھی ابن حجرؒ پر یہ اعتراض وارد کیا ہے کہ انھوں نے امام زہریؒ کا شمار مدلسین کے تیسرے طبقے میں کیوں کیا ہے۔ امام صنعانیؒ لکھتے ہیں:

فما کان یحسن أن یعده الحافظ ابن حجر فی هذه الطبقة بعد قوله أنه اتفق علی جلالته و اتقانه (توضیح الأفکار: جلد۱، ص۳۶۵)

''یہ بات اچھی نہیں ہے کہ ابن حجرؒ نے امام زہریؒ کو تیسرے طبقے میں شمار کیا، جبکہ خود ابن حجر کا امام زہریؒ کے بارے میں یہ قول موجود ہے کہ ان کے علمی مقام اور حافظے کی پختگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔''

چوتھی بات یہ کہ امام زہریؒ کی وہ روایات جن میں سماع کی تصریح موجود ہے وہ تو قابل قبول ہیں ہی، اس کے علاوہ ان کی وہ روایات بھی مقبول ہیں جو کہ 'عنعنہ' کے ساتھ ہوں۔ ابراہیم بن محمد العجمی فرماتے ہیں:

و قد قبل الأئمة قوله عن (التبیین لأسماء المدلسین: ص۹)

''اور ائمہ محدثین نے ان کے 'عن' کے ساتھ روایات کو قبول کیا ہے۔''

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ان کی 'عن' کے صیغہ کے ساتھ روایات کو قبول کیا ہے۔ شیخ ناصر بن احمد الفہد لکھتے ہیں:

و أما رد حدیثه الا عند ذکر السماع فلا أظنك تجد ذلك عند أحد من الأئمة المتقدمین (منہج المتقدمین فی التدلیس: ص۶۰ تا ۶۱)

''اور جہاں تک اس بات کا معاملہ ہے کہ صراحت کے ساتھ سماع کے علاوہ ان (یعنی امام زہریؒ) کی روایت قبول نہ کی جائے تو میرا نہیں خیال کہ ائمہ متقدمین میں سے کسی کا یہ مؤقف رہا ہو۔''

۹) غامدی صاحب نے امام زہریؒ پر ادراج کا الزام بھی لگایا ہے، لیکن انہوں نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ کس قسم کے ادراج کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ بات تو صحیح ہے کہ کسی حدیث کے متن میں اپنی طرف سے جان بوجھ کر کچھ اضافہ کر دینا حرام ہے، لیکن ادراج کی ایک قسم وہ بھی ہے جو جائز ہے۔ وہ یہ کہ کوئی راوی احادیث کے غریب الفاظ کی تشریح میں کچھ الفاظ اس طرح بیان کرے کہ وہ حدیث کا حصہ معلوم ہوں۔ امام زہریؒ کے ادراج کی نوعیت بھی یہی ہے، جیسا کہ امام سیوطیؒ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہو رہا ہے۔ امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:

و عندی ما أدرج لتفسیر غریب لا یمنع ولذلك فعله الزهری وغیر واحد من الأئمة (تدریب الراوی: جلد ۱ ص ۲۳۱)

''اور میرے نزدیک جو کسی غریب الفاظ کی تشریح کے لیے ادراج کیا جائے تو وہ ممنوع نہیں ہے جیسا کہ امام زہریؒ اور دوسرے ائمہ حدیث سے مروی ہے۔''

غامدی صاحب جس تدلیس اور ادراج کی بنیاد پر امام زہریؒ کو مجروح قرار دے رہے ہیں، وہ تدلیس اور ادراج تو بعض صحابہ سے بھی ثابت ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ سے جیسا کہ امام سیوطیؒ نے 'تدریب الراوی' میں اور امام صنعانیؒ نے 'توضیح الأفکار' میں اس کی مثالیں بیان کی ہیں' تو کیا اس بنیاد پر صحابہ کی روایات کو مردود کہیں گے؟ واقعہ یہ ہے کہ غامدی صاحب کی آرا کا علمی جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے صرف 'تدلیس' اور 'ادراج' جیسی اصطلاحات کا نام سنا ہوا ہے۔ جہاں تک ان اصطلاحات کی مفصل اور عمیق ابحاث کا تعلق ہے' وہ اس کے لیے وقت نہیں نکال پائے' اسی لیے وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایسی متفق علیہ روایت کو مردود کہنے کی جرات کر رہے ہیں جو جملہ محدثین اور ائمہ رجال کے نزدیک صحیح ہے۔

۱۰) غامدی صاحب نے 'سبعۃ احرف' کی روایات کا اس بنا پر انکار کیا ہے کہ ان روایات کے مرکزی راوی امام زہریؒ ہیں جن کی روایات ان کے نزدیک مردود ہیں۔ اگر ہم غامدی صاحب کو یہی روایات امام زہریؒ کے طریق کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی کے طریق سے پیش کر دیں تو کیا وہ ان راویات کو مان لیں گے؟ ذیل میں ہم امام زہریؒ کے طریق کے علاوہ بعض دوسرے طرق سے چند صحیح روایات بطور مثال ایک سے زائد قراءات کے اثبات کے لیے تحریر کر دیتے ہیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت ہے:

حدثنا أبو الولید حدثنا شعبة قال عبد الملك بن مسیرة أخبرنی قال سمعت نزال بن سبرة قال سمعت عبد الله یقول .... (صحیح بخاری' کتاب الخصومات' باب مایذکر فی الأشخاص والخصومۃ)

سنن نسائی کی ایک روایت ہے:

أخبرنی یعقوب بن ابراهیم قال حدثنا یحیی عن حمید عن أنس عن أبی بن کعب قال ..... (سنن نسائی' کتاب الافتتاح' باب جامع مافی القرآن)

اسی طرح سنن نسائی کی ایک اور روایت ہے:

أخبرنی عمرو بن منصور قال حدثنا أبو جعفر بن نفیل قال قرأت علی معقل بن عبید الله عن عکرمة بن خالد عن سعید بن جبیر عن ابن عباس عن أبی بن کعب قال ..... (أیضاً)

اسی طرح کی بیسیوں روایات ایسی ہیں کہ جن سے قرآن کی ایک سے زائد قراءات کا اثبات ہوتا ہے اور ان کی سند میں امام زہریؒ موجود نہیں ہیں' غامدی صاحب نے اپنی کتاب میں ان روایات پر کوئی تبصرہ نہیں فرمایا' کیا یہ روایات بھی ان

کے نزدیک مردود ہیں؟ اگر ہیں تو کن اصولوں کی روشنی میں؟

اگر غامدی صاحب نے 'سبعۃ احرف' کی روایات پر بحث کرنی ہے تو پھر ایک سے زائد قراءات کے اثبات میں مروی ان تمام روایات کا بھی جواب دیں جن کی سند میں امام زہریؒ موجود نہیں ہیں۔

غامدی صاحب کا اپنے اصولوں سے انحراف

غامدی صاحب نے اپنی تحقیقات میں بہت سی ایسی احادیث سے استدلال کیا ہے جن کے مرکزی راوی امام زہری ؒ ہیں۔ ان احادیث میں سے دو کا بطور مثال ہم یہاں ذکر کریں گے:

۱) غامدی صاحب اپنی کتاب ''میزان'' میں اسلام کے شورائی نظام کا یہ اصول بیان کیا ہے کہ مسلمان اپنے معتمد لیڈروں کی وساطت سے شریک مشورہ ہوں گے۔ اس کے لیے انھوں نے صحیح بخاری کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کے مطابق غزوہ حنین کے موقع پر جب مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہوازن کے قیدی رہا کرنے کی اجازت دی تو آپؐ نے فرمایا کہ: 'انی لا ادری من اذن فیکم ممن لم یأذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاء کم أمر کم' (رقم: ۲۵۷۶) ''میں نہیں جان سکا کہ تم میں سے کس نے اجازت دی ہے اور کس نے نہیں دی۔ پس تم جاؤ اور اپنے لیڈروں کو بھیجو تا کہ وہ تمہاری رائے سے ہمیں آگاہ کریں۔'' (میزان: ص ۱۱۸ تا ۱۱۹)

اس حدیث کی سند میں بھی وہی راوی یعنی ابن شہاب زہری موجود ہے جس کی روایات کو غامدی صاحب مردود قرار دے چکے ہیں۔ اس حدیث کے اور طرق بھی موجود ہیں لیکن ان میں بھی ابن شہابؒ موجود ہیں گویا کہ اس روایت کا انحصار ابن شہابؒ پر ہی ہے۔ غامدی صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کا رد کرنے کے لیے اصول تو بنا لیتے ہیں لیکن جب اپنی فکر واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو خود بھول جاتے ہیں کہ وہ اپنے ہی اصولوں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

۲) اسلام کے شورائی نظام کی مذکورہ بحث میں ہی غامدی صاحب نے یہ اصول واضح کرنے کے لیے کہ امامت و سیاست کا منصب ریاست میں موجود مسلمانوں کے مختلف گروہوں میں سے اس گروہ کا استحقاق قرار پائے گا جسے عام مسلمانوں کی اکثریت کا اعتماد حاصل ہو، حضرت عمر کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

من بایع رجلا من غیر مشورۃ المسلمین فلا یبایع ھو ولا الذی بایعہ تغرۃ أن یقتلا (بخاری، رقم ۶۸۳۰)

''جس شخص نے اہل ایمان کی رائے کے بغیر کسی کی بیعت کی، اس کی اور اس سے بیعت لینے والے، دونوں کی بیعت نہ کی جائے۔ اس لیے کہ اپنے اس اقدام سے وہ گویا اپنے آپ کو قتل کے لیے پیش کریں گے۔'' (میزان: ص ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵)

اس روایت کے مرکزی راوی بھی امام زہریؒ ہیں جو کہ 'مدلس' اور 'مدرج' ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ 'عنعنہ' سے روایت کر رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود غامدی صاحب ان کی روایت کو قبول کر رہے ہیں، آخر کس بنیاد پر؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ غامدی صاحب کی کتاب 'میزان' کا کوئی ایک باب بھی ایسا نہیں جس میں غامدی صاحب نے

امام زہریؒ کی روایات سے استدلال نہ کیا ہو۔ غامدی صاحب کی کتاب میزان (مطبوعہ ۲۰۰۲) درج ذیل آٹھ ابواب پر مشتمل ہے:

۱) قانون سیاست: اسلام کے شورائی نظام کے اصول ومبادی بیان کرتے ہوئے اس باب میں غامدی صاحب نے امام زہریؒ کی روایات سے استدلال کیا ہے۔ میزان: ص ۱۲۴، بخاری: ۶۸۳۰ اور ص ۱۱۸، بخاری: ۲۱۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔

۲) قانون معیشت: اسلامی شریعت میں بیع کی ناجائز اقسام کا تعارف کرواتے ہوئے اس باب میں غامدی صاحب نے امام زہریؒ کی روایات سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۱۴۷، بخاری: ۲۱۳۱ اور بخاری: ۲۱۴۰۔ علاوہ ازیں ص ۱۷۱، بخاری: ۶۴۶۷ بھی دیکھیں۔

۳) قانون دعوت: اس باب میں غامدی صاحب نے چند دعوتی اصول بیان کرتے ہوئے امام زہریؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۲۲۴، بخاری: ۲۲۰۔

۴) قانون جہاد: غامدی صاحب نے اس باب میں قتال کا اجر وثواب بیان کرتے ہوئے امام زہریؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۲۵۴، بخاری: ۲۷۸۷۔

۵) حدود وتعزیرات: حدود وتعزیرات کے بیان میں غامدی صاحب نے قتل خطا کے قانون کی وضاحت کرتے ہوئے امام زہریؒ کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۲۹۷، بخاری: ۱۴۹۹۔

۶) خورونوش: اس باب میں غامدی صاحب نے مردار کی کھال وغیرہ سے نفع اٹھانے کو جائز قرار دیتے ہوئے امام زہریؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۳۲۰، مسلم: ۳۶۳۔

۷) رسوم وآداب: دین اسلام میں رسوم وآداب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے غامدی صاحب نے امام زہری کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۳۲۵، مسلم: ۲۵۷۔

۸) قسم اور کفارہ قسم: اس باب میں نذر کا کفارہ بیان کرتے ہوئے غامدی صاحب نے امام زہریؒ کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ ملاحظہ ہو میزان: ص ۳۳۷، ابوداؤد: ۳۲۹۰۔

ثابت ہوا کہ غامدی صاحب کی کتاب کے ہر باب کی بنیاد امام زہریؒ کی روایات پر ہے جو ان کے بقول مدلس اور مدرج ہونے کی وجہ سے مردود ہیں۔ اس اعتبار سے ہم غامدی صاحب سے یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ واضح کریں کہ ایسے 'مدلس' اور 'مدرج' راوی کی بیان کردہ روایات کی بنیاد پر قائم ان کے تصور دین کی اصل حقیقت کیا ہے؟

سچ تو یہ ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک کسی حدیث کو قبول کرنے یا رد کرنے کی اصل بنیاد اصول حدیث نہیں بلکہ ان کی اپنی فکر ہے۔ جس حدیث سے ان کے افکار ونظریات کی تائید ہوتی ہو، وہ ان کے نزدیک صحیح ہے اور جو حدیث ان کے مؤقف کے خلاف ہو، وہ مردود ہے۔ ہماری گزارش تو صرف اتنی ہے کہ اگر غامدی صاحب اپنے ہی وضع کردہ اصولوں کی پاسداری کر لیں تو شاید اہل سنت کی شاہراہ کے بہت قریب آ جائیں۔